داخلی محرکات اور علم النفس

(از جناب ہدایت الرحمٰن محسنی صاحب ایم اے ریسرچ اسکالر دہلی یونیورسٹی)

علم النفس کیا ہے؟ اس سوال کا جواب جس قدر مشکل ہے اسی قدر سہل بھی ہے بشرطیکہ فکر و نظر دونوں سے یکساں کام لیا جائے۔ اس سلسلہ میں نہ ہمیں علم طبقات الارض اور علم نباتات وغیرہ کی طرح درسی تعینات اور تمثیلات کی تلاش میں کہیں دور جانے کی ضرورت ہے اور نہ ضبطِ حالات اور صدورِ کیفیات کے ادوار اور درجات متعین کرنے کے لئے بیرونی اسباب و علل کی تلاش و جستجو کی حاجت ہمارا مطالعہ گرد و پیش کے معمولی مشاہدات اور بشری کردار کے ادنیٰ مظاہرات پر موقوف کیا جاسکتا ہے۔ دماغ کی معمولی تحریکات کے داخلی تجزیہ سے اہم سے اہم علمی نتائج اور فہم علم کے اصول و قوانین اخذ کئے جاسکتے ہیں۔ ضرورت محض اتنی ہے کہ مشاہدہ اور ادراک حقیقت کا عکس بجائے شواہدِ حرکات کے داخلی محرکات پر ڈالا جائے۔ انسانی کردار اپنے افعال اور باہمی ارتباط کے ذریعہ موضوع اور مطالعہ کے لئے بے پایاں ذخائر بہم پہنچاتا رہتا ہے۔ چنانچہ روزمرہ کے تجربات سے ضروری مواد انتخاب کرکے ہمارے موضوع کے مختلف پہلو روشن کئے جاسکتے ہیں۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ خود ہماری اپنی ذات موضوع کی مختلف النوع کیفیات اور تمثیلات کا مظہر ہے تو زیادہ موزوں ہوگا۔

انسانی نفسیات کے مطالعہ کی مبادیات کے طور پر دماغی تحریکات کا علمی تجزیہ ضروری ہے اس تجزیہ کی اعتباری منازل طے کرنے کے لئے شاہد پر واجب ہے کہ ابتدائً وہ مشہود کو خود اپنی ہی ذات میں تلاش کرے۔ مثال کے طور پر ہم ایک معمولی سا تجربہ لیتے ہیں۔ ایک راستہ سے گذرتے ہوئے ہماری توجہ دفعۃً کسی ایسے سراپا کی طرف مبذول ہوتی ہے جو بظاہر

انسانی سراپا معلوم ہوتا ہے اور ہماری جانب بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔ ابتدائً ہم اس کو صاف طور پر نہیں دیکھ سکتے اور غور کرتے ہیں کہ یہ دور کا آنیوالا شخص کون ہو سکتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کی بابت واقفیت حاصل کرنے کا جذبہ یا اشتیاق ہمارے اندر ایک قسم کا تجسس پیدا کر دیتا ہے اور ہم غور سے دیکھنے لگتے ہیں۔ درمیان میں سوچنے بھی جاتے ہیں کہ اس آنے والے شخص کا سراپا کس سے مشابہ ہو سکتا ہے۔ یا اس وقت اس خاص جگہ پر کن اشخاص کے گذرنے کا احتمال ہو سکتا ہے۔ کچھ وقفہ کے بعد جب بُعد کم ہوتا ہے تو جسامت اور لباس اور وضع وقطع کے بارہ میں مشاہدہ متعین اور احساس یقین کے قریب تر ہونے لگتا ہے۔ تاہم ابھی ہم پہچاننے پر قادر نہیں ہوتے تاکہ آنے والے سراپا کو معلوم اشخاص میں سے کسی خاص شخص سے نسبت دے سکیں یا بالفاظِ دیگر نام متعین کر سکیں۔ گویا ابھی تک ہمارا قیاس احتمالات کو عبور کر کے یقین اور اعتبار کی سرحد میں داخل ہونے سے قاصر ہے۔

فاصلہ اور بھی کم ہو جاتا ہے، مشاہدہ دماغ سے غمازی کرتا ہے اور اب ہم فوراً شناخت کی حد تک پہنچ جاتے ہیں دماغ معلوم کر لیتا ہے کہ یہ آنے والا شخص زید ہے۔ اس سے ہم گذشتہ موسم گرما میں فلاں جگہ کنارِ بحر پر متعارف ہوئے تھے اور شاید کسی سینما میں اور پھر ایک بار کشتی رانی کے سلسلہ میں بھی اس کے ساتھ چند گھنٹے گذارنے کا اتفاق ہوا تھا یہیں سے ہماری پہلی دماغی کشمکش پر ایک قسم کا احساسِ مسرت غالب آجاتا ہے اور گذشتہ تجربات کا جائزہ لینے کا دماغی تکدر جو ایک نامعلوم سے ہیجان اور اضطراب و نیز اشتیاق کا محرک ہوا تھا یکبارگی رفع ہو جاتا ہے فوراً ہی ہم ملاقاتی کو طعام یا سیر و تفریح کی دعوت دینے کی تجاویز پر غور کرنا چاہتے ہیں کہ دفعتاً کسی ایسے معاہدۂ ملاقات کا خیال آجاتا ہے جس کے لئے ہم پہلے سے پابند ہیں اور جس کا ایفا اخلاقی فرض معلوم ہوتا ہے۔ اس موقع پر احساسات میں پھر ایک تموج اور ہیجان بپا ہوتا ہے حتیٰ کہ دماغ ضروری دلائل اور براہین پر غور کرتا ہوا ناقابلِ احساس عجلت کے ساتھ ہر دو نہج کے امکانات اور ان کے خوشگوار و ناخوشگوار نتائج کا جائزہ لیکر ایک بین بین راہِ عمل تلاش کر لیتا ہے

اس نوع کے تجربات ہر شخص کی زندگی میں پیش آتے ہیں مگر عام طور پر ان کا علم النفس کے معیار سے مطالعہ بہت کم کیا جاتا ہے۔ اگر تمثیلی واقعہ ہم میں سے کسی کے ساتھ بجنسہٖ پیش آئے تو تغیرِ احساسات اور کشمکشِ دماغی کے لطیف تجربات کا داخلی عنصر ہمارے ادراک سے دور رہ جاتا ہے۔ ہماری تمام تر توجہ خارجی حالات، اسباب و نتائج تک ہی محدود رہتی ہے یعنی یہ کہ آنے والا شخص کون ہے؟ ہمیں اسے کیا کہکر مخاطب کرنا چاہئے؟ ملاقات کے بعد کیسا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ وغیرہ وغیرہ۔ گویا دماغی مراحل سے گذرتے وقت ہم تمام تر تجویزِ عمل میں منہمک رہتے ہیں یا مقصودِ عمل پر نگاہ رکھتے ہیں۔ احساسات، افکار اور تدابیر کے دماغی پہلو سے ہمیں ادنیٰ دلچسپی بھی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہمارے جملہ جذبات اور کارکردگی کے اضطراب کا محرکِ حقیقی یہی دماغی عنصر ہوتا ہے اور اسی کے احکامات کی تعمیل میں ہم سرگرداں ہوتے ہیں ہمارا تحت شعور ظاہری اور خارجی کیفیات کا آئینہ دار ہوتا ہے اسے اسباب فعل اور تحریکات دماغ یعنی فاعل نفسیات سے سروکار نہیں ہوتا۔

اس کے بالکل برعکس علم النفس لاشعور کو شعور اور موثرات ظاہری کو مذاق فکر میں تبدیل کرنا چاہتا ہے اور مقتضی ہے کہ ہم خارجی تحریکات کا داخلی محرکات کی روشنی میں تجزیہ کریں چنانچہ فنی طور پر مذکورہ بالا مثالی واقعہ میں ہمیں صرف ان کیفیات پر غور کرنا چاہئے تھا۔

(۱) کسی شخص کو اتفاقیہ طور پر اپنی سمت آتا ہوا دیکھ کر اس کی جانب متوجہ ہونے کی جبلّی کیفیت

(۲) اس شخص کو پہچاننے میں تجسس اور اضطرار کی کیفیت اور اس کی ماہیت۔

(۳) حواسِ خمسہ میں سے کسی ایک یا زیادہ حواس پر محرکات کی نوعیت (جو زیرِ غور مثال میں اولاً صرف قوتِ باصرہ کی تحریک کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے)

(۴) اس شخص کے بارہ میں احساسِ تیقن اور آگاہی حاصل کرنے کی فعلی کیفیت۔

(۵) غور و فکر اور قوتِ حافظہ کا جبلّی استعمال جو "شناخت" کی حد تک رہنمائی کرتا ہے۔

(۶) داخلی کیفیات بہ مسرت اور رنج کے اثرانداز ہونے کی تغیر پذیر کیفیت۔ اس کا لب و لہجہ

اور الفاظ و کلام پر تحت شعوری اثر۔

(۷) تدبر اور قوت فیصلہ کی باہمی کشمکش اور ان کا امتزاج اور اس کے بعد ضروری اقدام یعنی انتخابِ عمل۔

اس تجزیہ سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ علم النفس دماغ کی جملہ تحریکات، مثلاً توجہ، ادراک، فکر، حافظہ، احساسات (پُر الم ہوں یا مسرت انگیز) تدبر اور انتخاب عمل کا ایک ایسا گہوارہ ترتیب دیتا ہے جس میں یہ تمام کیفیات اپنی جبلی خصوصیات کے ساتھ بے نقاب نظر آتی ہیں۔

کیفیات کا باہمی تعلق

مذکورہ بالا تجربات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک بار پھر مثالی واقعہ کی طرف رجوع کیجیے اور اس پر غور کیجیے کہ مختلف احساسات میں ایک بیّن تناسب اور متوازن تسلسل قائم ہے۔ جملہ کیفیات یعنی توجہ، ادراک، فکر، حافظہ اور انتخابِ عمل وغیرہ ایک دوسرے سے مخصوص نظم و نسق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ دلچسپی توجہ اور غور و فکر کا باعث ہوئی۔ توجہ، ادراک اور قوتِ امتیاز پر اثر انداز ہوئی۔ اگر دلچسپی پیدا نہ ہوتی تو ہم بدرجۂ شوق و اضطراب متوجہ نہ ہوتے۔ توجہ نہ ہوتی تو یہ بھی قرینِ قیاس تھا کہ ہم شخصِ متعلقہ کو پہچانے بغیر گذرتے چلے جاتے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ شبیہ کے مسئلہ پر غور کرنا۔ قوتِ تخیل پر زور دینا۔ حافظہ اور غور و فکر سے کام لینا، شہود کی دریافت اور حتمی "شناخت" کے لئے کس قدر ضروری وسائل ہیں۔ مثال سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ دلچسپی اور تجسس کا احساس مراحلِ بعد الوقوع، یعنی ادراک، فکر وغیرہ کے حق میں کتنا زود اثر ہے پھر یہ کہ اپنی اپنی جگہ پر ادراک، حافظہ اور فکر، جذباتِ مختلفہ کے مخصوص طور پر محرک ہوتے ہیں اور آخر کار جذبات کا یہی غلبہ فطری تدبر کی امداد سے قوتِ فیصلہ کے دروازے تک رہنمائی کرتا ہے۔ صحیح طور پر سوچیں تو یہ حقیقت فہم سے زیادہ دور نہیں رہ جاتی ہے کہ تدبیر اور انتخابِ عمل کا امتیازی جذبہ اس وقت بھی ہمارے تحتِ شعور میں کارفرما تھا جب مثالی شخص کے سراپا کی موجودگی کا اولین احساس پیدا ہوا تھا۔

فاعل نفسیات

دماغ کی کیفیاتِ مختلفہ کا صحیح اندازہ لگانے کے لئے ایک اور امر بھی خاص طور

قابلِ غور ہے۔ سوال یہ ہے کہ مثالی واقعہ میں تمام عملی قوتیں یعنی احساس، ادراک، فکر، تمیز اور تدبیر وغیرہم فعل کی نسبت سے آخر کس سے متعلق ہیں؟ جواب یہی ہو سکتا ہے کہ بلاشبہ یہ سب ہماری اپنی ہی تحریکاتِ دماغ ہیں۔ کیونکہ ہم نے خود دیکھا، خود محسوس کیا، خود مسرور یا متردد ہوئے۔ خود ہی تدابیر کے مختلف پہلوؤں پر غور کیا۔ اخیر میں اپنے ہی فیصلہ سے کام لیکر خود ہم نے ایک مختص اور منتخب صورتِ عمل اختیار کی۔ لیکن اگر اب یہ پوچھ لیا جائے کہ یہ سب کچھ ہمیں معلوم کس طرح ہوا۔ ہم نے کیونکر یقین کر لیا کہ یہ جملہ کیفیات ہماری ہی ذات کے زیرِ اثر کام کر رہی تھیں یا بالفاظِ دیگر یہ سب ہمارے اپنے ہی افعال متعلقہ تھے تو جب تک ہم علم النفس کے حقائق سے کماحقہ آگاہ نہ ہوں، اس سوال کا جواب بجز تحیر اور خاموشی کے شاید ہی بن پڑے۔ تاہم اس عجز و تحیر کے باوصف ایک یقین ہے جو متزلزل نہیں ہو سکتا اور وہ یہ کہ ہماری ذات کے علاوہ کوئی بیرونی طاقت ہمارے ان تجربات کی محرک قرار نہیں دی جا سکتی۔ فی الحقیقت یہی ایک امر کہ کیفیاتِ مذکورہ کا دماغی تجربہ اور محل وقوع کا تصور ہمارے حواس اور حافظہ پر ایک گہرا اثر چھوڑتا ہے ہمیں یہ یقین دلانے کے لئے کافی ہے کہ یہ سب کچھ ہمارے ہی ذاتی افعال کا شیرازۂ ترکیبی تھا اور ہماری ذاتِ واحد کے علاوہ ان کیفیات کا جو ہمارے اپنے علم اور حافظہ میں محفوظ ہیں کوئی غیر "انا" فاعلِ حقیقی متصور نہیں ہو سکتا۔ بس یہی اندیشہ اور تحقیق علم النفس کی بنیاد ہے۔ اسی کو "تحقیقِ نفس" یا "فاعلی نقطۂ نگاہ" یا "ادراکِ داخلی" وغیرہ اصطلاحات سے معنون کیا جاتا ہے۔ بنابریں ذاتی افعال و تجربات کے واقعی ادراک کو "علم النفس" کے نام سے تعبیر کرتے ہیں۔

تحقیقِ اول | "علم النفس" مطالعہ و مشاہدہ کی جملہ کیفیات میں ربط، تناسب اور تسلسل دریافت کرنے کے علاوہ ان کیفیات کو ایک فاعلِ نفسیات سے وابستہ تصور کرتا ہے جس کو ہم میں سے ہر شخص اپنی نسبت سے "انا" یا "میں" یا "خود" یا "آپ" وغیرہ الفاظ سے منسوب کرتا ہے۔

تحقیقِ دوم | "علم النفس" ایک مستقل علم یا فن کا درجہ صرف اسی وقت حاصل کرتا ہے جب تمام

کیفیات کی قدور کو فاعلِ نفسیات کے مطالعہ سے وابستہ سمجھا جائے۔ فنی طور پر علم النفس کے طالب علم کے لئے فاعلِ نفسیات کی کیفیاتِ فکر و احساس وغیرہ ہی مبادیات مطالعہ فراہم کرتی ہیں۔

شعور اور دماغ اب تک ہم نے صرف ان مختلف النوع کیفیات کا ذکر کیا ہے جو علم النفس کے مطالعہ میں آتی ہیں جیسے کیفیات توجہ، ادراک (بذریعہ حواس خمسہ) قوتِ حافظہ، فکر احساس، تدبیر، فیصلہ وغیرہ۔ لیکن ظاہر ہے کہ ہمیں ایسے اصطلاحی لفظ یا محاورہ کی بھی ضرورت ہے جو جملہ کیفیات مذکورہ کے معانی پر دلالت کرے۔ کیونکہ یہ پہلے ہی واضح ہو چکا ہے کہ علم النفس کے نظریہ کے ماتحت یہ تمام کیفیات ایک تناسب رشتۂ ارتباط میں منسلک ہیں۔ چنانچہ اس ارتباطِ باہمی کو جو مختلف کیفیات مذکورہ کے لئے بمنزلۂ اتحاد کا مترادف ہے۔ اجمالاً "شعور" کے ایک لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ لہذا توجہ، ادراک، حافظہ، تخئیل، فکر، احساس، اور قوت فیصلہ وغیرہ کو شعور کے مختلف افعال کہا جا سکتا ہے۔ بالفاظِ دیگر کسی جاندار یا بے جان شے کی طرف متوجہ ہونے۔ اس کے بارہ میں غور و فکر کرنے اور تخئیل و حافظہ پر زور دینے کو حرکاتِ شعور، یا افعالِ شعور کہا جا سکتا ہے۔ اور اس میں شئے متعلقہ کے کسی خاص جنس یا نوع سے وابستہ ہونے کی شرط نہیں ہے۔ تاہم یہ کسی وقت فراموش نہ ہونا چاہئے کہ شعور کے افعالِ مختلفہ میں صاحبِ شعور وہی "انا" یا "میں" یا "آپ" ہو گا۔ کیونکہ مختلف افعال کا سرزد ہونا بہر حال ہماری اپنی ہی ذات سے متعلق سمجھا جائے گا۔ افعالِ شعور میں ہم ہی کارفرما نظر آئیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ انسان کے شعور کی کیفیاتِ مختلفہ کا امتحان ہو چکنے کے بعد اس کو وقوف اور شعور کا اہل تصور کیا گیا ہے اور بنا بریں "عاقل" اور "صاحبِ دماغ" وغیرہ الفاظ سے منسوب کیا گیا ہے۔ "عقلی" یا "روحانی" وغیرہ الفاظِ صفت بھی حواس کے بارہ میں مستعمل ہیں انہیں تحریکاتِ دماغ یا افعالِ شعور کے ہم معنی سمجھے جاتے ہیں۔ چنانچہ مجموعی طور پر ان تحریکات و کیفیات کو "دماغی تحریکات" یا "افعالِ نفس" سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔

خصوصیاتِ دماغ | تحریکاتِ دماغ کی کیفیات مختلفہ پر ہم سنجیدگی سے غور کریں تو ان کی متعدد انواع ضبطِ مطالعہ سے وابستہ نظر آتی ہیں۔ ایک نوع کی کیفیات صاف طور پر دوسری اقسام سے خودبخود علیحدہ معلوم ہوتی ہیں، اختلاف کا یہ ادراک ہمیں حواسِ خمسہ کے ذریعہ سے حاصل ہوتا ہے ہم محسوس کرتے ہیں کہ ادراک اور واقفیت کے جملہ اثرات حواسِ خمسہ کی وساطت سے درجۂ تحقیق کی حد تک پہنچ جاتے ہیں اور یہ امر پوشیدہ نہیں رہتا کہ کیفیاتِ مختلفہ کا افتراق اہم نتائج کا حامل ہے۔ بایں ہمہ یہ احساسِ باطنی اپنی جگہ پر غیر متزلزل رہتا ہے کہ حواسِ مختلفہ کا استعمال دماغ پر اکثر اوقات ایک سے اثرات چھوڑتا ہے۔ مثلاً اس امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ نیلگوں آسمان کی دلفریبی اور گلاب کے پھول کی بھینی بھینی خوشبو میں ایک ربط و یگانگت ضرور ہے، یا یہ کہ گلاب کا نظر فریب اور خوشنما ہلکا گلابی رنگ، اس کی نازک پنکھڑیوں کا لمس اور خود پھول کی معطر لپٹیں اگرچہ اپنی اپنی جگہ "باصرہ" "لامسہ" اور "شامہ" حواسِ مختلفہ کے احساسات ہیں، تاہم مرکزی احساس یعنی دماغی موثرات کے لئے یکساں لطافت اور جاذبیت کے حامل ہیں، یہ تو حواسِ مختلفہ کی صورت ہے صرف ایک حس کی تحریکات میں بھی موثرات کا اہم اختلاف ممکن ہے۔ قوتِ شامہ ہی کو لیجئے۔ گلاب کا پھول سونگھنے اور ہینگ سونگھنے میں جو احساس کا اختلاف ہے وہ کتنا صریح ہے۔ اگرچہ اس میں شک نہیں کہ دونوں صورتوں میں سونگھنے کی تاثیر ناک کے ذریعہ ہوا سے حاصل کی جاتی ہے۔ اسی نسبت سے مختلف محسوساتِ شامہ اور دیگر حواسِ اربعہ کے لطیف اختلافات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

اس کے بعد یہ غور کرنے کی بھی ضرورت ہے کہ حواسِ خمسہ کے جملہ اثرات "دماغ" کی نسبت سے محض ایک شعبۂ فعل سے متعلق ہیں۔ دماغ کے افعال دوسرے وسیع تر شعبوں میں بھی منقسم ہیں۔ ان میں سے ایک فکر ہی ہے جو کائنات کے موجود اور غیر موجود عوالم پر حاوی ہے اور اس کے ذرائع عمل میں حواسِ خمسہ کا درجہ محض ضمنی ہوتا ہے۔

فکر کے علاوہ ہماری وسیع دنیائے احساسات بھی ہے کہ اس کو تنظیمِ اعضا سے واسطہ ہو

نہ حواسِ خمسہ سے ان احساسات میں زیادہ تر وہمی اور خیالی بھی ہوتے ہیں جیسے وہ عمیق اور مقدس احساسات جو گذشتہ زمانہ کے شہدائے ملت اور عارفینِ امت کے حالات کے علم سے پیدا ہوتے ہیں اور خارج میں تحسین و آفرین اور تعظیم کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں، یا وہ پُر الم جذبات جو ایامِ گذشتہ کی ناکامیوں اور حسرت ناکیوں کی یاد تازہ ہونے پر پیدا ہوتے ہیں۔ یا اس کے برعکس وہ خوشگوار اور دلپذیر احساسات جو عالمِ فراق میں محبوب کی خیالی تصویر پیش ہو جانے سے متحرک ہوتے ہیں۔ یا صبر و مسرت کے وہ ملے جُلے معصوم جذبات جو اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب ہم کسی عزیز ترین مرحوم کی دائمی مفارقت کے رنج سے نڈھال ہو کر یکبارگی مذہبی معتقدات کا سہارا لیں اور اس کی ابدی شادمانی کا تخیل قائم کرنے لگیں وغیرہ وغیرہ

غرض خصوصیاتِ دماغ سے وہ مخصوص تحریکات مراد ہوتی ہیں جو عام طور پر ایک صائب دماغ میں پیدا ہوتی رہتی ہیں۔ اپنی پیچیدگیوں کے ساتھ آپس میں وابستہ بھی ہوتی ہیں۔ مثلاً ہم ادراک پر قادر نہیں ہو سکتے۔ اگر انتہائی صلاحیتِ عمل سے کام لیکر بیک وقت حافظ تخیل اور فکر سے کام نہ لے چکے ہوں۔ یا اگر ہم چاہیں کہ "فکر" سے "حافظہ" کے بغیر کام لیں تو یہ بھی ممکن نہیں ہے۔ اور جب تک ہم "حافظہ" اور "فکر" دونوں پر زور نہ دیں تدبیر اور فیصلہ کی حد تک پہنچنا بالکل ہی ناممکن ہے۔ لیکن یہ واضح رہے کہ ان جداگانہ خصوصیات اور کیفیات کا مرکز یعنی دماغ ایک ہی ہے۔ حقیقت میں وہ ہماری ہی ذات ہے جو ادراک، حافظہ، تخیل، فکر احساس، فیصلہ وغیرہ افعال کی فاعلِ حقیقی ہے۔ لہذا خصوصیاتِ دماغ سے بجز دماغی تحریکات کے انواع و اقسام کے اور کچھ مراد نہیں لیا جا سکتا۔

اگر ہم اپنے دماغ کی کسی ایک کیفیت پر غور کریں یا شعور کی چند مخصوص تحریکات کا مطالعہ کریں تو یہ معلوم ہو جائے گا کہ ہر وقت ہم تین حالتوں میں سے ایک کے زیر اثر ضرور رہتے ہیں یعنی مدام ہم کسی نہ کسی شے کے بارہ میں غور و فکر کرتے ہوئے یا کسی نہ کسی احساس سے متاثر یا کچھ نہ کچھ کرتے ہوئے ضرور پائے جائیں گے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ فکر، احساس اور خواہش فعل ہی

ہمارے دماغی تحریکات کے تین بنیادی مراحل ہیں۔ کبھی ہماری فراستِ ذہنی نمایاں پائی جاتی ہے کبھی کیفیتِ احساس غالب ہوتی ہے اور کبھی خواہشِ عمل زیادہ واضح ہوجاتی ہے۔

اصولِ مطالعہ دیگر علوم کی طرح "علم النفس" بھی ترتیبِ مطالعہ کا مقتضی ہے لیکن جیسے یہاں موضوعاتِ مطالعہ دوسرے علوم سے علیحدہ ہیں اسی طور پر اسلوبِ مطالعہ میں بھی تخصیص وتفریق لازم ہے۔ ہمیں اولاً موضوع کی ماہیت پر غور کرنا چاہئے اور پھر ان کیفیات نفس کے مدارج متعین کرنے چاہئیں جنھیں لوازماتِ مطالعہ کا درجہ دیا جاسکتا ہے اور انھیں تعینات کے ماتحت تفصیل وتشریح پر زور دینا چاہئے۔ مگر بیانِ واقعات یا موضوع کے مدارج میں ترتیب قائم رکھنا اور کیفیاتِ مطالعہ کی توضیح میں ضروری تنظیم قائم رکھنا ازبس ضروری ہے یہ صرف اسی وقت ممکن ہے جب ہمارے مطالعہ کے اسلوب یعنی اندازِ فکر میں فنی احتیاط مدنظر رکھی جائے۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ہماری کیفیاتِ شعور کا بجز ہمارے اور کوئی شخص صحیح اندازہ نہیں لگا سکتا ہے۔ یہ محض ہمارے اپنے باطنی احساسات وتجربات ہوتے ہیں اور صرف ہم پر ہی روشن ہوسکتے ہیں۔ چنانچہ ہر شخص کی داخلی زندگی کی یہی کیفیات سمجھنی چاہئے۔ یہ ممکن ہے کہ دوسرا شخص ہماری ظاہری حالت پر گمان کرکے یا خود ہمارے بتلانے سے یہ اندازہ لگا سکے کہ اس وقت ہم شدید سر کے درد میں مبتلا ہیں، یا ہماری ڈاڑھ میں درد ہے۔ یا اب ہم اپنے کسی عزیز دوست کے آنے کی امید میں مسرور بیٹھے ہیں۔ لیکن تکلیف ومسرت کے وقتی تغیرات ہماری ذات کے علاوہ کسی دوسرے پر واضح نہیں ہوسکتے۔ حاضرین ہمارے چہرہ پر احساسِ شرمندگی یا شرم وحیا کے لطیف ارتعاشات دیکھ سکتے ہیں اور اس مشاہدہ کو اپنے ذاتی تجربات سے مطابقت دیکر کیفیات کے تغیر کا اندازہ بھی لگا سکتے ہیں۔ مگر ہماری شرم، خوف، یا غصہ کی داخلی واردات کا ان پر کما حقہ اظہار ہونا ممکن نہیں ہے۔ ہم خود اپنی حقیقی کیفیاتِ شعور سے تحریر وتقریر کے ذریعہ (یقیناً بیان ولسان) دوسروں کو مطلع کرسکتے ہیں مگر تمام ذی روح موجودات میں محض ہماری ذات واحد ہی ہمارے

اپنے افعالِ شعور کے صحیح علم پر قادر ہو سکتی ہے۔

علمِ ذات یا احساسِ باطنی دماغی تحریکات کا یہی فوری احساس علمِ ذات کہلاتا ہے۔ علم النفس کا موضوع اور کیفیات مطالعہ پر غور و فکر کرنے کا اس کے علاوہ کوئی قابلِ اعتماد ذریعہ نہیں ہے پہلے بیان ہو چکا ہے کہ احساس کی کیفیاتِ مختلفہ کو کیفیات شعور یا افعالِ شعور کہا جاتا ہے انھیں کیفیات کو فاعلی تحریکات بھی کہا جاتا ہے۔ کیونکہ جملہ کیفیات کا فاعل ایک ہی "ذات" یا "عقل" کو سمجھا جاتا ہے۔ جیسا کہ مذکور ہوا ہے ہر علم کا مطالعہ اور غور و فکر کا طریقہ اس کے موضوع اور کیفیاتِ مطالعہ کی نوعیت پر مبنی ہوتا ہے۔ علم النفس کے مطالعہ کا اصول فاعلِ کیفیات کے مطالعہ پر منحصر ہے۔ دوسرے الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے احساسات۔ فکر و تدبر وغیرہ سے متعلقہ تحریکات کا فوری علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن محرکاتِ فعل اور اساسِ فکر کا علم فاعلِ نفسیات کے علاوہ کسی اور کو نہیں ہو سکتا۔ اس کے برعکس فاعلِ نفسیات کے لئے علمِ ذات عینی شاہد کے مانند ہوتا ہے اور اس کے افعالِ شعور چشم دید کیفیات کا درجہ رکھتے ہیں۔ لیکن دوسرے محرکاتِ شعور کے صرف خارجی اثرات ہی سے آگاہی بہم پہنچا سکتے ہیں۔

ذرائع معلومات کیفیاتِ شعور کے بارہ میں فکر کرنا ہی علم النفس کے مطالعہ کے لئے کافی نہیں ہے۔ اکثر افراد اپنی دماغی تحریکات پر اتنی کم توجہ دیتے ہیں کہ کیفیاتِ شعور کے داخلی عنصر تک رسائی مشکل ہوتی ہے۔ ان کیفیات کی خصوصیات اور تفصیل پر قادر ہونا تو بہت بعد کا درجہ ہے۔ دیگر علوم کی طرح علم النفس کے بارہ میں بھی ہمیں خصوصی غور و فکر کی ضرورت ہے اور یہ مخصوص ذوقِ فکر عموماً انداز فکر ترتیب کرنے سے پیدا کیا جا سکتا ہے اگرچہ اس میں شک نہیں کہ تربیت کے بارآور ہونے میں فطری صلاحیت اور استعداد کو بھی کافی دخل ہے تاہم اس سے یہ غلط فہمی نہ ہونی چاہیئے کہ علم النفس کے حصول میں کچھ لوگ فطرۃً مجبور ہیں۔ نہیں ایسا بہت کم ہوتا ہے۔ بلکہ بیشتر اوقات خود اشخاص ہی احساس باطنی کی عملی مزاولت سے مجتنب رہتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ تکمیلِ فکر میں اس کی کس قدر ضرورت ہے۔

یہی سبب ہے کہ چند اشخاص غور و فکر، طرز بیان، علوئے کردار یعنی اپنی تحریکاتِ شعور کی پیچیدگیوں کے حل کرنے میں خاص مہارت حاصل کر لیتے ہیں اور ہم میں سے اکثر اس سے قاصر رہتے ہیں۔ اپنے افعالِ شعور سے کما حقہ واقفیت بہم پہنچانے کے بعد یہ بھی ممکن ہو سکتا ہے کہ نفسیات کے ماہرین، لوگوں کی خارجی کیفیات کے اندازو تجربہ پر خود فاعلِ نفیات کے افعال کا احاطہ کرنے پر قادر ہو جائیں۔

دوسری بات قابلِ غور یہ ہے کہ انسان نادانستہ طور پر اپنی داخلی کیفیاتِ شعور کے مختلف افعال کو خارجی اثرات کے ذریعہ ظاہر کرتا رہتا ہے۔ یہی ایک صورت ہے جس سے کسی دوسرے شخص کے باطنی احساسات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ چنانچہ ہر شخص کی گفتار و کردار (خارجی اثرات) دوسروں کو اس کے افعالِ شعور یا تحریکاتِ دماغ کی ارتقائی ماہیت سے آگاہ کرتے رہتے ہیں۔ اور شعور کے جملہ انکشافات علم النفس کے طالب علم کے لئے ذرائع معلومات کے مترادف ہیں۔ چونکہ انسان کے اقوال و افعال کیفیاتِ دماغ کے ماتحت سرزد ہوتے ہیں اس لئے علم النفس کے مطالعہ کے لئے نہ صرف بالغ انسان بلکہ بچے بھی اور نہ صرف انسانِ محض بلکہ کم حیثیت جانور بھی اہم وسائل کا درجہ رکھتے ہیں۔ اس کے لئے ایک مخبوط العقل، سودائی، شرابی یا جرائم پیشہ انسان (سوتا ہو یا جاگتا ہو) ہر حال میں مطالعہ کے لئے اہم مواد پہنچاتا ہے۔ علم النفس، انسانیت کی ناشائستہ اور ناخوشگوار حرکات سے بھی یہی حقائق درس حاصل کرتا ہے جو اس کے الوہی کردار سے۔ یہی درجہ انواعِ ادب کا ہے کہ فی الحاصل بھی انسانی ادراک و افکار کا مظہر ہیں۔

اصولِ ترتیب تحریکاتِ دماغ کی مختلف کیفیات اور ان کے انواع کی تفصیل و تشریح کو علم النفس کے لئے ضروریاتِ مطالعہ سمجھنا چاہئے۔ فنی تشریحات کے لئے دوسرے علوم کی طرح یہاں بھی دعاوی اور امورِ قیاسی کا استعمال جائز ہے۔ مختلف کیفیاتِ شعور کا اصولی مطالعہ کر کے قوانین وضع کئے جاتے ہیں۔ تجربات و امثلہ کے ذریعہ ان قوانین کی جانچ

کی جاتی ہے۔ چنانچہ اسی طور سے تدریجاً تحریکاتِ دماغ کا ایک مکمل نقشہ مرتب کرلیا جاتا ہے جو جملہ کیفیات کی تحقیق و تدوین میں فنی کسوٹی کا درجہ رکھتا ہے۔

تعریف | اب تک جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ مختصراً مندرجہ ذیل تعریف کی صورت میں بیان کیا جاسکتا ہے۔

"علم النفس وہ علم ہے جو دماغی تحریکات یا افعالِ شعور سے بحث کرے اور اس فاعلِ نفسیات کی داخلی تحریکات کا آئینہ ہو جسے عام طور پر "ذات" یا "عقل" کے نام سے منسوب کیا جاتا ہے۔"

تشریح اس کی یہ ہے کہ علم النفس ایک مکمل علم کی حیثیت سے نہ صرف واقعات و کیفیات کا نفسیاتی تجزیہ کرتا ہے اس کی تحقیق نہ صرف صورتِ واقعات اور دماغی تحریکات کے باہمی حلاقات کی تشریح تک محدود ہوتی بلکہ کیفیاتِ مختلفہ کے داخلی اسباب و علل، تحریکاتِ ذہنی کی تفصیل و توضیح ان کا باہمی تناسب اور تسلسلِ فعل و نیز یہ امر کہ دقیق اور پیچیدہ منتہی کیفیات ابتدائی اور سہل واقعات پر کیونکر مبنی ہوتی ہیں وغیرہ وغیرہ سب ضروری موضوعاتِ مطالعہ کا درجہ رکھتے ہیں۔ گویا دماغی تحریکات کے نشوونما اور افعالِ شعور کی تشریح و توضیح کو علم النفس کا فنی مطمحِ نظر سمجھنا چاہیے۔

برہان کے چند نمبروں کی ضرورت

دفتر کو مارچ ۱۹۴۲ء اور جون ۱۹۴۲ء کے پرچوں کی ضرورت ہے جو صاحب فروخت کرنا چاہیں مطلع فرمائیں۔ ان کی خدمت میں قیمت پیش کردی جائیگی